مسلح تصادم اور تشدد کے حالات میں قدرتی ماحول کا تحفظ اور اسلامی تعلیمات: تحقیقی جائزہ

(Protection of the Natural Environment in The Situation of Armed Conflict and Violence and Islamic Teachings Research Review)

Dr Hafiza Fariza Danish
Email: farizamuhammadd@gmail.com

Abstract
The greatest service to humanity is to make the earth red with the blood of those oppressors and to save the oppressed and helpless servants of Allah from the evil of those corrupters and seditionists who have become the people of Satan and the children of Adam (peace be upon him). But they reveal the troubles of moral, spiritual and material destruction. Those people are not actually human beings who deserve human sympathy, but they are devils in human clothes and real enemies of humanity, with whom real sympathy is to erase their evil from the face of humanity like a wrong letter. They lose their right to life by their actions. They, and those who help them to perpetuate their evil, have no right to live in the world. They are, in fact, an organ of the human body, which is filled with poisonous and irregular matter, the remaining of which may cause the death of the whole body. Therefore, the requirement of wisdom and expediency is that this corrupt and corrupt organ should be cut off and thrown away.
In this article, human behavior is discussed in the light of Islamic teachings on the protection of the natural environment in situations of armed conflict and violence.
Keyword: quran, hadith, books

انسانی جان کا احترام:

انسانی تمدّن (رہن سہن) کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اس کی سب سے پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے۔ انسان کے تمدّنی حقوق میں اوّلین حق زندہ رہنے کا حق ہے اور انسان کے رہن سہن کے فرائض میں اوّلین فرض زندہ رہنے دینے کا فرض ہے۔ دنیا کی جتنی شریعتیں اور مہذّب قوانین ہیں اُن سب میں احترامِ نفس کا اخلاقی اُصول ضرور موجود ہے جس قانون اور مذہب میں اسے تسلیم نہ کیا گیا ہو وہ تو مہذّب انسانوں کا مذہب و قانون بن سکتا ہے نہ اس کے ماتحت رہ کر کوئی انسانی جماعت پُر امن زندگی بسر کر سکتی ہے، نہ

اسے کوئی فراغ حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کی عقل خود سمجھ سکتی ہے کہ اگر انسان کی جان کی کوئی قیمت نہ ہو، اس کا احترام نا ہو، اس کی حفاظت کا بندوبست نہ ہو، تو چار آدمی کیسے مل کر رہ سکتے ہیں، ان میں کس طرح باہم کاروبار ہو سکتا ہے، انھیں وہ امن و اطمینان اور وہ بے خوفی و جمیّعتِ خاطر کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے جس کی انسان کو تجارت، صنعت، صنعت اور زراعت کرنے، دولت کمانے، گھر بنانے، سیر و سفر کرنے اور متمدّن زندگی بسر کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے؟ پھر اگر ضروریات سے قطع نظر کرکے خالص انسانیت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس لحاظ سے بھی کسی ذاتی فائدہ کی خاطر، یا کسی ذاتی عداوت کی خاطر اپنے ایک بھائی کو قتل کرنا بدترین قساوت اور انتہائی سنگدلی ہے جس کا ارتکاب کرکے انسان میں کوئی اخلاقی بلندی پیدا ہونا تو درکنار، اُس کا درجہءِ انسانیت پر قائم رہنا بھی محال ہے۔ 1

احترامِ حیاتِ انسانی قرآن وحدیث:

دنیا کے سیاسی قوانین تو اس احترامِ حیاتِ انسانی کو صرف سزا کے خوف اور قوت کے زور سے قائم کرتے ہیں۔ مگر ایک سچے مذہب کا کام دلوں میں اس کی صحیح قدر و قیمت پیدا کر دینا ہے، تاکہ جہاں انسانی تعزیر کا خوف نہ ہو اور جہاں انسانی پولیس روکنے والی نہ ہو، وہاں بھی بنی آدم ایک دوسرے کے خونِ ناحق سے محترز رہیں۔ اس نقطہ نظر سے احترامِ نفس کی جیسی صحیح اور مؤثر تعلیم اسلام میں دی گئی ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں ملنا مشکل ہے۔ قرآنِ مجید میں جگہ جگہ پر مختلف پیرایوں سے اس تعلیم کو دل نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ 2

سورۃ مائدہ میں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کرکے، جن میں سے ایک نے ظلماً دوسرے کو قتل کیا تھا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچائے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا، اور ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں اکثر لوگ زمین میں ظلم و
زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔)[3]

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ:

"لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا"

(اور اس جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں جو یہ کام کرے گا وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا)۔[4]

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ"

(آپ کہیے کہ آؤ تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمادیا ہے وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہوں خواہ پوشیدہ اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق کے ساتھ ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔)[5]

اس تعلیم کے اوّلین مخاطب وہ لوگ تھے جن کے نزدیک انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی اور جو اپنے ذاتی فائدے کی خاطر اولاد سی چیز کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے۔ اس لیے داعیِ اسلام علیہ ان کی طبیعتوں کی اصلاح کے لیے خود بھی ہمیشہ احترامِ نفس کی تلقین فرماتے رہتے تھے اور یہ تلقین ہمیشہ نہایت مؤثر انداز میں ہُوا کرتی تھی۔ احادیث مبارکہ میں کثرت سے اس قسم کے ارشادات پائے جاتے ہیں جن میں بے گناہ کا خون بہانے کو بدترین گناہ بتایا گیا ہے۔[6]

چند احادیث مقالہ نگار یہاں نقل کرتی ہے۔

احادیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہے جس کو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَوْلُ الزُّورِ أَوْ قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّورِ"

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑے گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی کی ناحق جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا ہیں یا فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا۔)[7]

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ ہے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:
"لن يزال المؤمن فی فسحة من دينه مالم يصب دما حراما"
(مومن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا)[8]
اسی طرح صحاح ستہ کی کتاب نسائی میں ایک متواتر حدیث ہے کہ:
"اول ما يحاسب به العبد الصلٰوة واول ما يقضیٰ بين الناس يوم القيامة فی الدماء"۔
(قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے دعوے ہیں۔)[9]
حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے پوچھا گیا سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟

ایک مرتبہ ایک شخص آنحضرت صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "ان تدعولله ندّا وهو خلقک" یہ کہ تو کسی کو اللہ کا نظیر و مثل قرار دے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے؟ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جواب دیا: "ان تقتل ولدک ان يطعم معک" یہ کہ تو اپنے بچے کو قتل کر دے اس خیال سے کہ وہ تیرے کھانے میں شریک ہو گا۔ اس نے عرض کیا اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:"ان تزانی حليلة جارک"، یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔[10]

دنیا پر اسلامی تعلیم کا اخلاقی اثر

حرمتِ نفس کی یہ تعلیم کسی فلسفی یا معلّمِ اخلاق کی کاوشِ فکر کا نتیجہ نہ تھی کہ اس کا اثر صرف کتابوں اور مدرسوں تک محدود رہتا، بلکہ درحقیقت وہ اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تعلیم تھی جس کا لفظ بہ لفظ ہر مسلمان کا جزوِ ایمان تھا جس کی تکمیل، تلقین اور تنفیذ ہر اس شخص پر فرض تھی جو کلمہء اسلام کا قائل ہو۔ پس ایک چوتھائی صدی کے قلیل عرصہ ہی میں اس کی بدولت عرب جیسی خونخوار قوم کے اندر احترامِ نفس اور امن پسندی کا ایسا مادّہ پیدا ہو گیا کہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی پیشین گوئی کے مطابق قادسیہ سے صنعا تک ایک عورت تنہا سفر کرتی تھی اور اس کے جان و مال پر حملہ نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ یہ وہی ملک تھا جہاں پچیس سال پہلے بڑے بڑے قافلے بھی بے خوف نہیں گزر سکتے تھے۔ پھر جب مہذب دنیا کا آدھے سے زیادہ حصہ حکومتِ اسلامیہ کے تحت آ گیا اور اسلام کے اخلاقی اثرات چار دانگ عالم میں پھیل گئے تو اسلامی تعلیم نے انسان کو بہت سی غلط کاریوں اور گمراہیوں کی طرح انسانی جانی کی اُس بے قدری کا بھی استیصال کر دیا جو دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ آج دنیا کے مہذّب قوانین میں حرمتِ

نفس کو جو درجہ حاصل ہوا ہے وہ اُس انقلاب کے نتائج میں سے ایک شاندار نتیجہ ہے جو اسلامی تعلیم نے دنیا کے اخلاقی ماحول میں برپا کیا تھا۔ ورنہ جس دورِ تاریک میں تعلیم اُتری تھی اس میں انسانی جان کی فی الحقیقت کوئی قیمت نہ تھی۔ عرب کی خونخواریوں کا نام تو اس سلسلہ میں دنیا نے بہت سنا ہے، مگر اُن ممالک کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی جو اُس زمانہ میں دنیا کی تہذیب و شائستگی اور عالم و حکمت کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ روم کے کولوسیم (closseum) کے افسانے اب تک تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں جس میں ہزار ہا انسان شمشیر زنی (Gladiatory) کے کمالات اور رومی کے شوقِ تماشا کی نذر ہوگئے۔ مہمانوں کی تفریح کے لیے یا دوستوں کی تواضع کے لیے غلاموں کو درندوں سے پھڑوادینا یا جانوروں کی طرح ذبح کرادینا، یا ان کے جلنے کا تماشا دیکھنا، یورپ اور ایشا کے اکثر ممالک میں کوئی معیوب کام نہ تھا۔ قیدیوں اور غلاموں کو مختلف طریقوں سے عذاب دے دے کر مار ڈالنا اس عہد کا عام دستور تھا۔ جاہل و خونخوار امراء سے گزر کر یونان و روما کے بڑے بڑے حکماء و فلاسفہ تک کے اجتہادات میں انسانی جانی جانوں کو بے قصور ہلاک کرنے کی بہت سی وحشیانہ صورتیں جائز تھیں۔ ارسطو و افلاطون جیسے اساتذہ اخلاق ماں کو یہ اختیار دینے میں کوئی خرابی نہ پاتے تھے کہ وہ اپنے جسم کے ایک حصہ (یعنی جنین) کو الگ کر دے، چنانچہ یونان و روما میں اسقاطِ حمل کوئی ناجائز فعل نہ تھا۔ باپ کو اپنی اولاد کے قتل کا پورا حق تھا اور رومی مقنّنوں کو اپنے قانون کی اس خصوصیت پر فخر تھا کہ اس میں اولاد پر باپ کے اختیارات اس قدر غیر محدود ہیں۔ حکماء رواقیین (لکھنا ہے) کے نزدیک انسان کا خود اپنے آپ کرنا کوئی برا کام نہ تھا، بلکہ ایسا باعزت فعل تھا کہ لوگ جلسے کر کے اُن میں خودکُشیاں کیا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ افلاطون جیسا حکیم بھی اسے کوئی بڑی مصیبت نہ سمجھتا تھا۔ شوہر کے لیے اپنی بیوی کا قتل بالکل ایسا تھا جیسے وہ اپنے کسی پالتو جانور کو ذبح کردے، اِس لیے قانونِ یونان میں اس کی کوئی سزا نہ تھی۔ جیورَ کھشا کا گہوارہ ہندوستان ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں مرد کی لاش پر زندہ جلا دینا ایک جائز فعل تھا اور مذہباً اس کی تاکید تھی۔ شُودَر کی جان کی کوئی قیمت نہ رکھتی تھی اور اس بنا پر کہ وہ غریب برہما کے پاؤں سے پیدا ہُوا ہے، اس کا خون برہمن کے لیے حلال تھا۔ ویدی آواز سن لینا شودر کے لیے اتنا بڑا گناہ تھا کہ اس کے کان میں پگلا ہُوا سِیسا ڈال کر اسے مار ڈالنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا" جل پردا" کی رسم عام تھی جس کے مطابق ماں باپ اپنے پہلے بچہ کو دریائے گنگا کی نذر کر دیتے تھے اور اس قساوت کو اپنے لیے موجبِ سعادت سمجھتے تھے۔ ایسے تاریک دور میں اسلام نے آواز بلند کی کہ لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اس کو نہ قتل کرو مگر اُس وقت جب کہ حق اس کے قتل کا مطالبہ کرے۔ اس آواز میں ایک قووت تھی اور قوت کے ساتھ وہ "اَہِنسا پَرمو دھرما" کی آواز کی طرح عقل اور فطرت کی مطابقت سے محروم نہ تھی۔ لہٰذا اُس سرکش طبیعت کو

اطاعتِ امر پر مجبور کرنے کے لیے ایسے قانون کی ضرورت ہے جس میں حکم دینے کے ساتھ یہ بھی ہو کہ اگر تعمیل نہ کی گئی تو اس کی سزا کیا ہے، اور منع کرنے کے ساتھ یہ بھی ہو کہ اگر فعلِ ممنوع سے اجتناب نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ کیا بھگتنا پڑے گا۔[11] صرف" لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها"(زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو)[12]

یا یہ فرمایا"لاتقتلوا النفس التی حرّم اللّٰهُ "(جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اُسے قتل نہ کرو)[13]

یہ کہنا کافی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ یہ بھی نہ بتادیا جائے کہ اگر اس گناہِ عظیم سے کسی نے اجتناب نہ کیا اور فساد پھیلایا اور قتل وخون کیا تو اُسے کیا سزا دی جائیگی۔

انسانی تعلیم میں ایسا نقص رہ جانا ممکن ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا قانون (نعوذ باللہ) اتنا ناقص نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صاف طور پر بتادیا کہ انسانی خون کی حرمت صرف اُسی وقت تک ہے جب تک اس پر "حق" نہ قائم ہو جائے۔ اسے زندگی کا حق صرف اس کی جائز حدود کے اندر ہی دیا جا سکتا ہے، مگر جب وہ ان حدود سے تجاوز کر کے فتنہ وفساد پھیلائے، یا دوسروں کی جان پر ناحق حملہ کرے تو وہ اپنے حقّ حیات کو خود بخود کھو دیتا ہے، اس کے خون کی حرمت زائل ہو کر حلت سے بدل جاتی ہے، اور پھر اس کی موت ہی انسانیت کی حیات ہو جاتی ہے۔[14]

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ میں فرمایا: "الفتنةُ اشد من القتل" "قتل بڑی بُری چیز ہے مگر اُس سے زیادہ بُری چیز فتنہ فساد ہے۔[15] جب کوئی شخص اس بڑے جرم کا مرتکب ہو تو اُس کی بڑی بُرائی کا خاتمہ کر دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی دوسرے کی ناحق جان لے اس کے لیے حکم ہُوا" کُتب علیکمُ القصاصُ فِی القتلیٰ"، تم پر مقتولوں کے لیے قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔[16]

اور اس کے ساتھ اُس امتیاز کو بھی مٹا دیا گیا جسے گمراہ قوموں نے اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں قائم کیا تھا۔ چنانچہ فرمایا: "کتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس"۔[17] یہ نہیں ہو سکتا کہ امیر غریب کو مار ڈالے یا آزاد غلام کو قتل کر دے تو وہ چھوڑ دیا جائے، بلکہ انسان ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ جان کے بدلے جان ہی لی جائے گی، خوا امیر کی ہو یا غریب کی۔

پھر اس خیال سے کہ کسی کو اس ناگزیر خون ریزی میں تامل نہ ہو فرمایا"ولکم فی القصاص حیوة یا اُلی الا لبابِ"۔[18] اے عقلمندو! اس قصاص کو موت نہ سمجھو بلکہ یہ توفی الحقیقت سوسائٹی کی زندگی ہے جو اس کے جسم سے ایک فاسد اور مہلک پھوڑے کو کاٹ کر حاصل کی جاتی ہے۔ حیات فی القصاص کے اس فلسفہ کو حضور ﷺ نے ایک موقع پر خوب سمجھایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: " انصر اخاک ظالما او مظلوما"، اپنے بھائی کی مدد کر خوا ظالم ہو یا مظلوم۔ سننے والے کو حیرت ہوئی کہ مظلوم کی حمایت تو برحق، مگر یہ ظالم کی اعانت کیسی؟

پوچھا یارسول اللہ ﷺ، ہم مظلوم کی اعانت تو ضرور کریں گے لیکن ظالم کی اعانت کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:" تاخذ فوق يديه"[19] اس طرح کے تو اس کا ہاتھ پکڑلے اور اُسے ظلم سے باز رکھے۔

پس در حقیقت ظالم کو روکنے میں اس کے ساتھ جو سختی بھی کی جائے وہ سختی نہیں ہے بلکہ عین نرمی ہے اور خود اس ظالم کی بھی مدد ہی ہے۔ اسی لیے اسلام میں حدودِ الٰہی کو قائم کرنے کی سختی کے ساتھ تاکید کی گئی ہے اور اسے رحمت وبرکت کا موجب بتایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:" اقامة حد من حدود الله خير من مطر اربعين ليلة في بلاد الله عزوجل"[20] (اللہ کی حدود میں سے ایک حدود قائم کرنے کی برکت (۴۰)چالیس دن کی بارش سے زیادہ ہے)

بارش کی برکت یہ ہے کہ اس سے زمین سیر اب ہوتی ہے، فصلیں خوب تیار ہوتی ہیں، خوشحالی بڑھتی ہے۔ مگر اقامتِ حدود کی برکت اس سے بڑھ کر ہے کہ فتنہ وفساد اور ظلم وبدامنی کی جڑ کٹتی ہے، اللہ کی مخلوق کو امن چین سے زندگی بسر کرنا نصیب ہوتا ہے اور قیام امن سے وہ طمانیت مُیسّر آتی ہے جو رہن سہن (تمدن) کی جان اور ترقی کی روح ہے۔[21]

قتل بالحق اور قتل بغیر حق کا فرق:

قتل بغیر حق کی ایسی سخت ممانعت اور قتل بالحق کی ایسی سخت تاکید کر کے شریعت الٰہیہ نے اِفراط و تفریق کی دو راہوں کے درمیان عدل و توسُّط کی سیدھی راہ کی طرف ہماری راہنمائی کی ہے۔ ایک طرف وہ مُسرف اور حدود سے تجاوز کرنے والا گروہ ہے جو انسانی جان کی قیمت نہیں سمجھتا اور اپنی نفسانی خواہشات پر اسے قربان کر دینا جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف وہ غلط فہم اور غلط گروہ ہے جو خون کے تقدُّس اور ابدی حرمت کا قائل ہے اور کسی حال میں بھی اسے جائز نہیں سمجھتا۔ اسلامی شریعت نے ان دونوں غلط خیالوں کی تردید کر دی اور اس نے بتایا کہ نفس انسانی کی حرمت نہ تو کعبہ یا ماں بہن کی حرمت کی طرح ابدی ہے کہ کسی طرح حِلت سے بدل ہی نہ سکے، اور نہ اس کی قیمت اس قدر کم ہے کہ نفسانی جذبات کی تسکین کی خاطر اسے ہلاک کر دینا جائز ہو۔ ایک طرف اس نے بتایا کہ انسان کی جان اس لیے نہیں ہے کہ تفریح طبع کے لیے اس کے بسمل دار تڑپنے کا تماشا دیکھا جائے، اس کو جلا کر فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے، یا بے اصل توہمات اور غلط رسموں کی قربان گاہ پر اس کی بھینٹ چڑھائی جائے۔ ایسی ناپاک اغراض کے لیے اس کا خون بہانا یقیناً حرام اور سخت معصیت ہے۔ دوسری طرف اس نے یہ بھی بتایا کہ ایک چیز انسان کی جان سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور وہ "حق" ہے۔ وہ جب اس کے خون کا مطالبہ کرے تو اُسے بہانا نہ صرف جائز بلکہ فرض ہے، اور اس کا نہ بہانا اوّل درجہ کی معصیت ہے۔ انسان جب تک حق کا احترام کرتا ہے اس کا خون واجب الاحترام رہتا ہے، مگر جب وہ سرکشی اختیار کر کے "حق" پر دست درازی کرتا ہے تو اپنے خون کی قیمت خود کھو دیتا ہے پھر اس کے خون کی قیمت اتنی بھی نہیں رہتی جتنی پانی کی ہوتی ہے۔[22]

ناگزیر خون یزی:

یہ قتل بالحق اگرچہ صورت میں قتل بغیر حق کی طرح خونریزی ہی ہے، مگر حقیقت میں یہ ناگزیر خونریزی ہے جس سے کسی حال میں چھٹکارا نہیں۔ اس کے بغیر نہ دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے، نہ شر وفساد کی جڑ کٹ سکتی ہے، نہ نیکوں کو بدوں کی شرارت سے نجات مل سکتی ہے، نہ حق دار کو حق مل سکتا ہے، نہ ایمان داروں کو ایمان اور ضمیر کی آذادی حاصل ہو سکتی ہے، نہ شرکشوں کو ان کے جائز حدود میں محدود رکھا جا سکتا ہے، اور نہ اللہ کی مخلوق کو مادّی وروحانی چین یسّر آسکتا ہے۔ اگر اسلام پر ایسی خونریزی کا الزام ہے تو اسے اِس الزام کے قبول کرنے میں ذرّہ برابر بھی عار نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اور کون ہے جس کا دامن اس ناگزیر خونریزی کی چھینٹوں سے سُرخ نہیں ہے؟ بودھ مذہب کی اُہنسا، اس کو ناجائز رکھتی ہے، مگر وہ بھی بھکشو اور گرہستی میں فرق کرنے پر مجبور ہوئی اور آخر اُس نے ایک قلیل جماعت کے لیے نجات (نِروان) کو مخصوص رکھنے کے بعد باقی تمام دنیا کو چند اخلاقی ہدایت دے کر گرہست دھرم اختیار کرنے کے لیے چھوڑ دیا جس میں سیاست، تعزیر اور جنگ پر مجبور ہوئی اور جب رومی سلطنت کے مظالم برداشت کرنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا تو آخر کار اس نے خود سلطنت پر قبضہ کر کے ایسی جنگ برپا کی جو ناگزیر خونریزی کی حد سے بہت آگے نکل گئی۔ ہندو مذہب میں بھی متاخرین فلاسفر نے "اہنسا پر مو دھرما" کا عقیدہ تجویز کیا اور جیو تہیا کرنے کو پاپ قرار دیا، مگر اسی عہد کے مقنن منّو سے فتویٰ پوچھا گیا کہ "اگر کوئی شخص ہماری عورتوں پر دست درازی کرے، یا ہمارا مال چھینے، ہمارے دھرم کی بے آبروئی کرے تو ہم کیا کریں؟" تو اس نے جواب دیا کہ " ایسے جفاکار انسان کو ضرور مار ڈالنا چاہیے، عام اس لیے کہ وہ گرو ہو یا عالم برہمن، بوڑھا ہو یا نو جوان۔" سردست ہمارا مدّعا صرف یہ دکھانا ہے کہ نمائشِ اخلاق کے لیے کوئی جماعت خواکیسے ہی اونچے خیالی فلسفوں تک پہنچ جائے لیکن عمل کی دنیا میں آکر اِسے دنیا کے تمام مسائل کو عملی صورتوں سے ہی حل کرنا پڑتا ہے اور یہ دنیا خود اس کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اس کی حقیقتوں کا عملی تدابیر سے مقابلہ کرے۔ قرآن نازل کرنے والے کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ حرمتِ نفس کے لیے ویسے ہی خیالی لذت بخشنے والے اُصول پیش کرتا جیسے کہ اہنسا کے عقیدے میں پائے جاتے ہیں، اور وہ اپنے معجزانہ کلام میں ان کو پیش کر کے دنیا کی عقلوں کو دنگ کر سکتا۔ مگر اُس فاطرِ کائنات کو خطابت اور تفلسُف کی نمائش مقصود نہ تھی بلکہ وہ اپنے بندوں کے لیے ایک صحیح اور واضح دستور العمل پیش کرنا چاہتا تھا جس پر کاربند ہو کر ان کی دنیا اور دین درست ہو سکے۔ اس لیے جب اس نے دیکھا کہ " اَلاَّ بِالحَقِّ " کے استثناء کے بغیر محض "لاَ تقتلوا النّفسَ"[23] کا عام حکم مُفید نہیں ہو سکتا تو یہ اس کی بے عیب ذات سے بعید تھا کہ دنیا والوں کو" لم تقولونَ ما لا تفعلونَ" [24](تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو) کا طعنہ دینے کے

باوجود وہ انھیں یہ سکھاتا کہ زبان سے اَہنسا پَرمو دھرما کی آواز بلند کرو اور ہاتھ سے خوب شمشیر زنی کرتے رہو۔ پس یہ اللہ کی حکمتِ بالغہ ہی تھی کہ اس نے حرمتِ نفس کی تعلیم کے ساتھ قصاص کا قانون بھی مقرر کیا اور اس طرح اُس قوت کے استعمال کو ضروری قرار دیا جس کا استعمال حرمتِ نفس کی حفاظت کے لیے ناگزیر ہے۔[25]

اجتماعی فتنہ:

یہ قصاص کا قانون جس طرح افراد کے لیے ہے اسی طرح جماعتوں کے لیے بھی ہے۔ جس طرح افراد سرکش ہوتے ہیں اسی طرح جماعتیں اور قومیں بھی سرکش ہوتی ہیں۔ جس طرح افراد حرص و طمع سے مغلوب ہو کر اپنی حد سے تجاوز کرتے ہیں اسی طرح جماعتوں اور قوموں میں بھی یہ اخلاقی مرض پیدا ہو جاتا کرتا ہے۔ اس لیے جس طرح افراد کو قابو میں رکھنے اور تعدّی سے باز رکھنے کے لیے خونریزی ناگزیر ہوتی ہے اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی بڑھتی ہوئی بدکاری کو روکنے کے لیے بھی جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے انفرادی اور جماعتی فتنہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر کیفیت کے اعتبار عظیم الشان فرق ہے۔ افراد کا فتنہ ایک تنگ دائرے میں محدود ہوتا ہے، انسانوں کی ایک قلیل جماعت کو اس سے آزار پہنچتا ہے اور گز بھر زمین رنگین کر کے اس کا استیصال کیا جاسکتا ہے۔ مگر جماعتوں کا فتنہ ایک غیر محدود مصیبت ہوتا ہے جس سے بے شمار انسانوں کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے، پوری پوری قوموں پر عرصہ ٔحیات تنگ ہو جاتا ہے، (تمدّن) رہن سہن کے سارے نظام میں ایک ہل چل برپا ہو جاتی ہے، اور اس کا استیصال خون کی ندیاں بہائے بغیر نہیں ہو سکتا جسے قرآن مجید میں اِثخان فی الارض کے معنی خیز لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جماعتیں جب سرکشی پر آتی ہیں تو کائی ایک فتنہ نہیں ہوتا جو وہ برپا کرتی ہوں۔ ان میں طرح طرح کے شیطان شامل ہوتے ہیں اس لیے طرح طرح کی شیطانی قوتیں ان کے طوفان میں اُبھرتی ہیں اور ہزاروں قسم کے فتنے اس کی بدولت اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، بعض اُن میں دھن دولت کے لالچی ہوتے ہیں تو وہ غریب قوموں پر ڈاکے ڈالتے ہیں، ان کی تجارت پر قبضہ کرتے ہیں، ان کی صنعتوں کو برباد کرتے ہیں، ان کی محنت سے کمائے روپے کو قسم قسم کی چالاکیوں سے لُوٹتے ہیں اور قوت کے حق کی بنا پر اُس دولت سے اپنے خزانے بھرتے ہیں جس کی جائز حقدار وہ فاقہ کش مظلوم قومیں ہوتی ہیں۔ بعض ان میں ہوائے نفسانی کے بندے ہوتے ہیں تو وہ اپنے جیسے انسانوں کے اللہ بن بیٹھتے ہیں، اپنی خواہشات پر کمزوروں کے حقوق قربان کرتے ہیں، عدل و انصاف کو مٹا کر ظلم و جفا کے عَلم بلند کرتے ہیں، شریفوں اور نیکوکاروں کو دبا کر سفیہوں اور کمینوں کو سربلند کرتے ہیں، ان کے ناپاک اثر سے قوموں کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں، محاسن اور فضائل کے چشمہ سُوکھ جاتے ہیں، اور اُن کی جگہ خیانت، بدکاری، بے

حیائی، سنگدلی، بے انصافی اور بے شمار دوسرے اخلاقی مفاسد کے گندے نالے جاری ہو جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر جہانگیری و کِشور ستانی کا بھوت سوار ہوتا ہے تو وہ بے بس اور کمزور قوموں کی آزادیاں سلب کرتے ہیں، اللہ کے بے گناہ بندوں کے خون بہاتے ہیں، اپنی خواہشِ اقتدار کو پورا کرنے کے لیے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور آزاد انسانوں کو اُس غلامی کا طوق پہناتے ہیں جو تمام اخلاقی مفاسد کی جڑ ہے۔ ان شیطانی کاموں کے ساتھ جب اِکراہ فی الدین بھی شامل ہو جاتا ہے اور اِن ظالم جماعتوں میں سے کوئی جماعت اپنی اغراض کے لیے مذہب کو استعمال کرکے بندگانِ اللہ کو مذہبی آزادی سے بھی محروم کر دیتی ہے اور دوسروں پر اس وجہ سے ظلم و ستم توڑتی ہے کہ وہ اس کے مذہب کے بجائے اپنے مذہب کی پیروی کیوں کرتے ہیں تو یہ مصیبت اور بھی زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔[26]

خلاصہ:

جس طرح علمِ طب کا مقصد لذّتِ کام و دہن نہیں بلکہ اصلاحِ بدن ہے، خواہ کڑوی دوا سے ہو یا میٹھی سے، اسی طرح اخلاق کا مقصد بھی لذّتِ ذوق و نظر نہیں ہے بلکہ دنیا کی اصلاح ہے، خواہ سختی سے ہو یا نرمی سے کوئی سچا اخلاقی مصلح بندوق، تلوار و قلم میں سے صرف ایک ہی چیز کو اختیار کرنے اور ایک ہی ذریعہ سے فریضہ اصلاح انجام دینے کی قسم نہیں کھا سکتا۔ اس کو اپنا پورا کام کرنے کے لیے دونوں چیزوں کی یکساں ضرورت ہے۔ جب تک تلقین و تبلیغ شوریدہ سر جماعتوں کو اخلاق و انسانیت کے حدود کا پابند بنانے میں کارگر ہو سکتی ہو، ان کے خلاف بندوق و تلوار استعمال کرنا ناجائز بلکہ حرام ہے۔ مگر جب کسی جماعت کی شرارت و بدباطنی اس حد سے گزر چکی ہو کہ اسے وعظ و تلقین سے راہِ راست پر لایا جا سکے، اور جب اس کو دوسروں پر دست درازی کرنے سے، دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے، دوسروں کی عزّت و شرافت پر حملے کرنے سے، اور دوسروں کی اخلاقی و روحانی اور مادّی زندگی پر تاخت کرنے سے باز رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے، تو پھر یہ ہر سچے بہی خواہِ انسانیت کا اوّلین فرض ہو جاتا ہے کہ اس کے خلاف بندوق، تلوار اٹھائے اور اس وقت تک آرم نہ لے جب تک اللہ کی مخلوق کو اس کے کھوئے ہوئے حقوق واپس نہ مل جائیں۔

حوالہ جات

[1] مودودی، الجہاد فی الاِسلام، ص/۲۳، طبع، ۱۱رجب ۱۳۹۳ھ ۱۱اگست ۱۹۷۳ء لاہور/انڈیا۔

[2] ایضاً، ص/۲۴۔

[3] سورۃ مآئدہ، ۳۲۔

[4] سورۃ الفرقان،۶۸۔

[5] سورۃ انعام،۱۵۱۔

[6] مودودی،الجہاد فی الاِسلام، ص/۲۳، طبع،۱۱رجب ۱۳۹۳ھ ۱۱اگست ۱۹۷۳ءلاہور/انڈیا۔

[7] ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری: صحیح البخاری، کتاب اشھادہ، حدیث ۲۶۵۳۔

[8] ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری: صحیح البخاری، کتاب الدّیات، حدیث ۶۸۶۲۔

[9] ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی: سنن نسائی، الریاض، دارالسلام، طبع اول ۱۹۹۹ع، کتاب المحاربۃ، تعظیم الدم حدیث ۳۹۹۶۔

[10] ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری: صحیح البخاری، الریاض، کتاب الدیّات حدیث ۶۸۶۱۔

[11] مودودی،الجہاد فی الاِسلام، ص/۲۶،۳۰، طبع،۱۱رجب ۱۳۹۳ھ ۱۱اگست ۱۹۷۳ءلاہور/انڈیا۔

[12] سورۃ اعراف،۸۵

[13] بنی اسرائیل،۳۳

[14] مودودی،الجہاد فی الاِسلام، ص۳۰، طبع،۱۱رجب ۱۳۹۳ھ ۱۱اگست ۱۹۷۳ءلاہور/انڈیا۔

[15] سورہ بقرہ،۱۹۱

[16] سورۃ بقرہ،۱۷۸۔

[17] سورہ مائدہ،۴۵

[18] سورۃ بقرہ،۱۷۹

[19] ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری: صحیح البخاری، کتاب المظالم والغصب، حدیث، ۲۴۴۴۔

[20] ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید: سنن ابن ماجہ، الریاض، دارالسلام، طبع اول ۱۹۹۹ع، کتاب الحدود، واقامۃ الحدود، حدیث ۲۵۳۷۔

[21] مودودی،الجہاد فی الاِسلام، ص/۳۱، طبع،۱۱رجب ۱۳۹۳ھ ۱۱اگست ۱۹۷۳ءلاہور/انڈیا۔

[22] ایضا، ص/۳۲،۳۱

[23] سورہ اعراف ۸۵

[24] سورہ صف ۲

[25] مودودی،الجہاد فی الاِسلام، ص/۳۴،۳۴،۳۳،۳۲، طبع،۱۱رجب ۱۳۹۳ھ ۱۱اگست ۱۹۷۳ءلاہور/انڈیا۔

[26] ایضا، ص/۳۶،۳۵،۳۴